علما اور حکومت

سعید احمد اکبر آبادی

(۱)

برادر محترم و مکرم السّلام علیکم ۔

آپ نے اپنے والا نامہ میں دو طبقے بتائے ہیں ۔ ایک حکمراں اور دوسرا علمار کا طبقہ، چونکہ آپ کا تعلق حکمراں طبقہ سے ہے اس لئے آپ نے اپنے مکتوبِ گرامی میں جو لب ولہجہ علمار کے طبقہ کے متعلق استعمال کیا ہے اُس سے وہ حضرات ضرور تلخ کام ہونگے جو آپ سے براہِ راست واقف نہ ہونگے ۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ پر اس اندازِ گفتگو کا ہرگز کوئی بُرا اثر نہیں ہوا کیونکہ میں اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں کہ علوم جدیدہ میں درک وکمال اور گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ افسر ہونے کے باوصف عقیدہ وعمل کے اعتبار سے آپ کی زندگی کس درجہ ایک صحیح مردِ مومن و پاکباز کی زندگی ہے ۔ آپ کو قرآن سے کس درجہ شغف اور اسلام سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت اور عشق ہے ۔ آپ کے خط کے جواب میں ابتدائر یہ لکھنا اس لئے ضروری تھا کہ اصل مکتوب کی صحیح اسپرٹ اور اُس کی روح سے واقف ہونے کی غرض سے قارئینِ برہان کے لئے ضروری تھا کہ وہ مکتوب نگار کی شخصیت سے بھی متعارف ہوجائیں ۔

اب میں اصل جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، آپ نے خط میں جن امور پر روشنی ڈالی ہے، اُن کا حاصل یہ ہے : ۔

(۱) تاریخِ اسلام میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جب کہ حکومت علمار کے ہاتھ میں رہی ہو، حکمراں طبقہ ہمیشہ جماعتِ علمار سے ایک علیحدہ ہی طبقہ ہوا کرتا تھا

(۲) علمار حکومت کے قابل نہ بن سکے ۔

(۳) حکمرانوں کے ساتھ اس طبقۂ علمار کو خدا واسطہ کا بیر رہے جو بیج معذاری کی ایک روشن مثال ہے، اختلاف کی کوئی اور وجہ نہیں۔

(۴) ہم نے علمار کے طبقہ میں سے کسی کو بھی سامنے آتے نہیں دیکھا جو اپنی ہردلعزیزی یا جرأت اور دلیری کی وجہ سے حکومت پر قبضہ کر پایا ہو۔

(۵) جب کبھی مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا ہے وہ علمار کی وجہ سے ہی تھا۔

(۶) حکمراں طبقہ کا آپس میں کبھی ایسا اختلاف نہیں ہوا جس کی مصالحت نہ ہو سکے

(۷) حکمراں طبقہ میں یک جہتی زیادہ ہے بہ نسبت علمار کے۔

مذکورہ بالا تنقیحات میں سے نمبر اوّل سے لیکر پانچ تک علمار سے متعلق ہیں اور باقی دو کا تعلق حکمراں طبقہ سے ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ علمار کہتے کسے ہیں؟ اگر علمار سے مراد وہ حضرات ہیں جنھوں نے علوم دینیہ و شرعیہ کی باقاعدہ تحصیل و تکمیل کی ہو اور جو اُن میں درک و بصیرت رکھتے ہوں تو پھر آپ کا یہ فرمانا درست نہیں ہے کہ "تاریخ اسلام میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جبکہ حکومت علمار کے ہاتھ میں رہی ہو" کیونکہ خود آپ ہی اس خط میں ایک جگہ لکھتے ہیں "حکمرانوں میں متعدد مثالیں ایسی ہیں جہاں مملکتوں کے سربراہ ہر قسم کے علوم سے سرفراز تھے اور بعض بعض نے تو ولایت کا رتبہ پایا ہے" پھر چند سطروں کے بعد اسی خیال کو آپ اس طرح دہراتے ہیں "بادشاہوں نے اسلامی علوم سیکھے" اور اگر علمار سے مراد وہ حضرات ہیں جو اصحاب درس و تدریس، اربابِ وعظ و ارشاد اور منصب دارانِ افتار و قضا تھے تو اول تو یہ امر فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ منصب قضا جس پر ہمیشہ علمار اور فقہا فائز رہے ہیں، وہ خود ایک حکومت کا شعبہ تھا اور وہ بھی اس درجہ اہم اور ضروری کہ اس کے بغیر کوئی حکومت جس کا اصل فرض اور منصب قیام عدل ہے چل ہی نہیں سکتی تھی اس بنا پر یہ کہنا کہ علمار کا حکومت سے کبھی تعلق نہیں رہا غلط ہے۔ قضاۃ اور وزراء کی تاریخ پر عربی میں مستقل ضخیم کتابیں موجود ہیں جن میں سے بعض حال ہی میں مصر سے چھپ کر آئی ہیں انھیں ملاحظہ کیجئے اُن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کسی ایک دور میں نہیں بلکہ تاریخ کے ہر دور میں اور ہر ملک میں قضا اور وزارت کے عہدوں پر بڑے بڑے علمار متمکن رہے ہیں اور ان میں بعض تو ایسے تھے کہ فرائضِ منصبی انجام دینے

کے ساتھ ساتھ حدیث اور فقہ کا باقاعدہ درس بھی دیتے تھے اور علوم شرعیہ پر ضخیم ضخیم کتابیں بھی لکھتے تھے مثلاً امام ابوالفضل بغداد میں ملک کافور والیٔ مصر کے وزیر تھے اور اتنے بڑے محدث تھے کہ امام دارقطنی نے اُن سے روایت کی ہے۔ علامہ ابن حزم جن کی علمی جلالتِ شان سے اسلامیات کا ہر طالب علم باخبر ہے۔ خلیفہ مستظہر باللہ کے وزیر تھے۔ فقہ شافعی کے امام کمال الدین الفقیہ سلطان نورالدین زنگی کے اور مولانا تاج الدین ابراہیم پاشا رئیس الوزراء سلطان بایزید یلدرم کے وزیر تھے۔ قضا اور وزارت کے علاوہ علماء نے حکومتوں کی طرف سے سفارت کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں۔ چنانچہ امام شعبی خلیفہ عبدالملک اموی کی طرف سے قیصر روم کے دربار میں سفیر تھے۔ حافظ ذہبی نے اُن کے حالات میں لکھا ہے کہ قیصر روم کے دل پر امام شعبی کے تدبر اور فراست کا اتنا اثر ہوا کہ اُس نے خلیفہ کے نام اپنے خط میں اس پر تعجب ظاہر کیا کہ ان کے ہوتے ہوئے مسلمانوں نے ایک دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ کیوں منتخب کر لیا ہے۔ خلیفہ نے واپسی پر امام شعبی کو قیصر کا یہ فقرہ سنایا تو برجستہ بولے "کیا خوب! قیصر نے مجھی کو تو دیکھا ہے۔ آپ کو بھی دیکھ لیتا تو ایسی بات زبان پر نہ لاتا۔" امام شعبی کی طرح حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بغداد کی طرف سے دربار اربل میں سفیر بن کر گئے تھے۔ اُن کے علاوہ حافظ ابن ماکولا امام ابوالمحاسن قرشی۔ امام ابویعقوب شیرازی۔ محمد بن سلامہ قضاعی اور علامہ قونیجی وغیرہم نے بھی اپنی اپنی حکومتوں کی طرف سے سفارت کے فرائض دیئے ہیں۔ پھر قاضی ابویوسف جو ہارون رشید کے عہد میں چیف جسٹس تھے۔ امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی جو امام مالک کے شاگرد رشید تھے اور جن کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے مالکی مذہب کو مغرب میں بڑا فروغ ہوا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم قاضی لیث بن فرات ان حضرات کے ناموں سے عربی تاریخ کا کونسا طالب علم بے خبر ہوگا۔ یہ حضرات جہاں مسندِ علم و فضل کی زینت اور بزمِ دین و شریعت کے صدر نشین تھے، حکومت و سلطنت کی اقلیم میں بھی اُن کے نام کا سکہ چلتا تھا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حکومتیں قائم ہوئیں، اگرچہ یہ حکومتیں اپنے مصالح کی وجہ سے قانونِ شریعت کی زیادہ پرواہ نہیں کرتی تھیں لیکن امورِ ملکی و سیاسی میں ان کے لئے بھی علماء سے مدد لینا ناگزیر تھا، چنانچہ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کے مصنف حسن الصغانی پہلے ہندوستان میں نائب

مشرف (اسسٹنٹ آڈیٹر) کے عہدہ پر متمکن تھے اور پھر جب اس سے مستعفی ہوکر گھومتے گھامتے بغداد پہونچے اور اور ان کے علم وفضل کا چرچا ہوا تو عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ نے ان کو اپنا سفیر بناکر التمش کے دربار میں ہندوستان بھیجا اور ایک نہیں دو مرتبہ! دلی سلطنت میں مستوفی الممالک (اکاؤنٹنٹ جنرل) کا عہدہ بڑا اہم تھا، غیاث الدین بلبن کے عہد میں مولانا شمس الدین خوارزمی جو اپنے زمانہ کے بڑے نامور عالم فقیہہ اور محدث تھے اس عہدہ پر فائز تھے جو مولانا کو یہ عہدہ سپرد کیا گیا اور فرمان شاہی صادر ہوا تو خواجہ تاج رضا نے کہا:

صدر اکنوں بکام دل دوستاں شدی
مستوفی ممالک ہندوستاں شدی

دلی سلطنت میں قضا کے عہدہ کے علاوہ ایک عہدہ شیخ الاسلام کا بھی ہوتا تھا جس پر ہمیشہ نامی گرامی علما ہی متمکن کئے جاتے تھے اور اس راہ سے بھی امور حکومت و سلطنت کی انجام دہی میں علمار کے مشورہ اور ان کی رائے سے فائدہ حاصل کیا جاتا تھا۔ خلیق احمد صاحب نظامی نے اپنی کتاب Some Aspects of Religion And Politics In India During Theisteenth Century میں ایک پورا باب مستقلاً علما کے عنوان سے لکھا ہے اور اس میں بڑی تفصیل سے یہ بتایا ہے کہ حکومت کے ساتھ علمار کا کیا تعلق ہوتا تھا؟ اور حکومت اُن کے علم وفضل سے کس طرح استفادہ کرتی تھی۔ اسی باب میں موصوف نے اِدھر اُدھر سے جمع کرکے قاضیوں کی جو طویل فہرست دی ہے اس میں پچیس علمار کے نام گنائے ہیں اور دور کیوں جائیے خود ہمارے ہاں دیکھ لیجئے بھارت کی سیکولر جمہوری حکومت کا مرکزی وزیر تعلیم سب سے پہلے جو ہوا غیر منقسم ہندوستان کا ایک بلند پایہ عالم دین اور مشہور مفسر قرآن ہوا اور اُس نے کس فہم و تدبر اور فراست و دور اندیشی سے ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کی رہنمائی کی اور وزارت کے فرائض کو کس لیاقت اور قابلیت سے انجام دیا۔ حکومت کا بڑے سے بڑا آدمی اس کا اقرار کرتا اور اس کے لئے سراپا مدح و ستائش ہے۔

اس مختصر روئداد سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ حکومت علمار کے ہاتھ میں کبھی نہیں رہی اور وہ حکومت کے قابل نہ بن سکے۔ مذکورہ بالا تنقیحات میں سے نمبر اوّل سے لیکر

نمبر ۴ تک سب کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہ اُن علمار کا حال تھا جو قضا۔ وزارت ۔ سفارت اور اس قسم کے دوسرے اعلیٰ اور ذمہ دارانہ عہدے قبول کرتے تھے اور اس طرح حکومت کی مشنری کے کل پرزے بن کر اُس کے چلانے میں مدد کرتے تھے ۔

اب رہے وہ علمار جو ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے درس و تدریس، وعظ و ارشاد، تصنیف و تالیف یا روحانی تصفیہ و تزکیہ کا کام کرتے رہتے تھے اور حکومت کے کاروبار سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے ۔ اگر آپ کو شکایت جو کچھ بھی ہے وہ ان علمار سے ہے تو واضح رہنا چاہیئے کہ ان علمار کی حیثیت اسلامی سماج میں وہی تھی جو آج کل یونیورسٹی کے اساتذہ کی۔ مجالس قانون ساز کے ممبروں کی اور سماجی فلاح و بہبود کا کام کرنے والوں کی ہوتی ہے۔ یہ لوگ حکومت سے براہ راست متعلق نہیں ہوتے لیکن درحقیقت حکومتیں چلتی انہیں کے سہارے اور مدد سے ہیں۔ اگر علمار درس کا کام نہ کرتے تو حکومت کے لئے تعلیم یافتہ اور لائق و قابل اہلکار کہاں ملتے ؟ اگر یہ احکام شریعت کی توضیح نہ کرتے تو حکومتوں کو آئے دن جو قانونی معاملات و مسائل پیش آتے رہتے تھے ان کا حل کون بتاتا ؟ اگر یہ علمار وعظ و ارشاد اور روحانی تزکیہ کے ذریعہ لوگوں کے اعمال و اخلاق کی اصلاح نہ کرتے تو حکومتوں کو اچھے اور نیک شہری کہاں نصیب ہوتے ؟ آپ فرماتے ہیں علمار کو حکمرانوں کے ساتھ خدا واسطے کا بیر تھا جو ہیچ مقداری کی ایک روشن مثال ہے ۔

(۳) لیکن درحقیقت ان علمار کی شان ہی کچھ اور تھی! ان کی سادہ۔ قناعت پسندانہ اور بے لوث و بے غرض زندگی کا عجیب و غریب اور نہایت موثر نقشہ مولانا شبلی نے ایک ترکیب بند میں کھینچا ہے۔ چند اشعار آپ بھی سنتے چلئے ۔ فرماتے ہیں ۔

اکنوں بری چہ کسانیم؟ وچہ ساماں داریم؟	آنچہ با ہیچ نیرزد بجہاں آن داریم
ما نہ آنیم کہ دیہیم سکندر طلبیم	ما نہ آنیم کہ اورنگِ سلیمان داریم
ما نہ آنیم کہ بر شیوۂ اربابِ حشم	روکا ورا ہے بدرِ دولت سلطان داریم
ما نہ آنیم کہ با حاجب و درباں باشیم	ما نہ آنیم کہ بام و درِ ایواں داریم
خاکسارانِ جہانیم وز اسبابِ جہاں	بوریائیست کہ در کلبۂ احزاں داریم

جز نے خامۂ و اوراق پریشاں نبود　　　بیش و کم آنچہ بہ پیدا و بہ پنہاں داریم

اس فقر و درویشی - قناعت گزینی اور حکومت سے بے تعلقی کے باوجود جو اضطراری نہیں اختیاری تھی اور جو علم شریعت و دین کو حکومت کے اثرات سے آزاد رکھنے کی غرض سے تھی ان حضرات کا حال یہ تھا کہ سلاطین اور امراء و رؤسا کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کو اپنے لئے سرمایۂ فخر و مباہات سمجھتے تھے - ہارون رشید جس نے محض امام مالک سے سماعِ حدیث کے لئے مدینہ کا سفر کیا تھا - اس نے ایک مرتبہ ایک نابینا عالم ابو معاویہ حزیر کی دعوت کی تو خود آفتابہ لیکر اُن کے ہاتھوں پر پانی ڈالا - سلطان نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کس جاہ و جلال کے فرمانروا تھے کہ صلیبی طاقتیں اُن کے نام سے لرزتی تھیں اس کے باوجود یہ دونوں حافظ ابن عساکر جنھوں نے تاریخ دمشق ۸۰ جلدوں میں لکھی ہے، ان کے درسِ حدیث میں بڑے ادب و احترام سے شریک ہوتے تھے' یہاں تک کہ بعض اوقات اُستاد کسی بات پر ناراض ہو کر شاگرد کو ڈانٹ بھی دیتے تھے. ہندوستان کا فاتح شہاب الدین غوری امام فخر الدین رازی کی مجلس وعظ میں ہر جمعہ کو پابندی سے شریک ہوتا تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ امام عالی مقام نے ہی ہندوستان کی مہم میں غوری کی مدد اپنی دولت سے کی تھی - غیاث الدین بلبن کے متعلق برنی نے لکھا ہے کہ اپنے عہد کے کبار علماء و مشائخ کے مکانوں پر خود حاضر ہوتا اور فتوح پہونچاتا تھا - امیر تیمور کی خونخواری سے کون واقف نہیں ہے - ایک مرتبہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے ایک گستاخی پر قاصد سلطانی کو پٹوا دیا - لوگوں نے امیر تیمور کو اکسایا کہ علامہ کو سزا دے مگر اس نے کہا کہ جس کا قلم ان شہروں کو فتح کر چکا ہے جہاں میری تلوار نہیں پہونچی میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا - واضح رہنا چاہیئے کہ یہ چند استثنائی واقعات نہیں ہیں بلکہ فیروز شاہ تغلق - سکندر لودی اور پھر شاہانِ مغلیہ میں بابر - ہمایوں - اکبر - جہانگیر - شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر وغیرہم کی زندگیوں میں بھی علماء اور مشائخ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت و احترام کے واقعات ملتے ہیں، یہ سب کچھ آخر کیوں تھا ؟ محض اس لئے کہ سلاطین ان بزرگوں کو جوہرِ انسانیت سمجھتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ وہ اپنے علم و فضل سے اسلام کی - ملک کی - اور انسانیت کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں جو خود اُن کی حکومت کی بقا اور استحکام کے لئے بہت ضروری ہے -

آپ فرماتے ہیں یہ علما احساسِ کمتری میں مبتلا تھے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ سلاطین ان کی خوشامد کرتے۔ اُن پر جبر کرتے مگر یہ کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کرتے تھے اور اس بنا پر بعض اوقات اُن کو شدائد و مصائب بھی انگیز کرنے پڑتے تھے، جیسا کہ امام ابو حنیفہ کو پیش آیا۔ یقین کیجئے ان اصحاب درس و افتا اور ارباب مدرسہ و خانقاہ کا حکومت سے الگ تھلگ رہنا اور اس کی وجہ سے عسرت اور تنگدستی کی زندگی گذارنا محض اسلام کی اور سلطنت کی خیر خواہی میں تھا کیونکہ اُن کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جتنا اس صورت میں کارگر اور مؤثر ہو سکتا تھا حکومت کے عہدہ دار و وظیفہ خوار ہونے کی صورت میں نہیں ہو سکتا تھا، علاوہ ازیں عوام سے ربط و ضبط اور دینی اور علمی کاموں کے لئے یکسوئی! ملازمتِ سلطانی کی صورت میں ان کی گنجائش زیادہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اسی آزادی اور اس کی وجہ سے جرأت و بیباکی کا یہ نتیجہ تھا کہ علماء کے اس مخصوص طبقہ نے تاریخ کے بعض نہایت نازک مواقع پر حکومت کے معاملہ میں ملت کی نہایت صحیح اور بروقت رہنمائی کی ہے اور اس طرح مسلمانوں کو شدید ابتلا سے بچا لیا ہے۔ چنانچہ حضرت رجاء بن حیوۃ جو بڑے بلند پایہ محدث اور فقیہ ہیں اور تابعین کے چوتھے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، تاریخِ اسلام اُن کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کر سکتی کہ محض ان کی سعیِ بلیغ اور سیاست کے باعث سلیمان عبد الملک کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز سریرآرائے خلافت ہوئے جن کی خلافت علیٰ منہاج الخلافۃ الراشدہ تھی۔ یہ کس ترکیب و تدبّر سے خلیفہ ہوئے؟ اس کی مفصل روداد بڑی دلچسپ ہے، مگر یہاں اس کا موقعہ نہیں ہے۔ پھر چھٹی صدی ہجری میں ابو عبد اللہ محمد بن تومرت جو نہایت متقی و پرہیزگار اور بلند پایہ عالم و زاہد تھے انھوں نے مغرب میں جو خالص اسلامی طرز کی حکومت قائم کی تو یہ کس کا فیضِ اثر تھا؟ امام غزالی اور اُن کے ہم عصر علماء و فضلاء کا جن سے ابن تومرت نے باقاعدہ حدیث و فقہ کا درس لیا تھا یا کسی اور کا؟ علاء الدین خلجی جو نہایت خودسر اور بددماغ بادشاہ تھا اُس کے سامنے جن قاضی مغیث نے سر پر کفن باندھ کر اعلانِ حق کیا اور خزانۂ شاہی میں بیجا دستبرد کرنے سے ٹوکا تھا طبقۂ علماء سے تعلق رکھتے تھے یا حکمراں طبقہ سے؟ پھر کون نہیں جانتا کہ شہنشاہ اکبر کے ہاتھوں اسلام پر کیسی کچھ قیامت نہیں گذر گئی تھی اس کے سامنے سینہ سپر ہو کر کس نے اس صورتِ حال کو بدلا؟ مجدد الف ثانیؒ اور ان کی جماعت نے جو سرخیلِ علمائے دین تھے

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت پر جب زوال آیا اور مرہٹوں نے ملک میں امن وامان کو تہ و بالا کر ڈالا تو اس کے خلاف کس نے آواز اٹھائی ؟ اور احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دیکر ملک کو اس مصیبت سے بچالیا، تو یہ سب کس کی جد وجہد اور سعی و کوشش کا اثر تھا؟ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی اور ان کی جماعت کا۔ ذرا پیچھے پلٹ کر اور دیکھئے، سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد فیروز شاہ تغلق جیسا دیندار اور راسخ العقیدہ مسلمان اورنگ آرائے حکومت ہوا تو اس میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی کوششوں کا دخل تھا، جیسا کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا بھی ہے۔ فیروز شاہ کے عہد سے پہلے سے چالیس بینتالیس کے قریب غیر شرعی اور ظالمانہ ٹیکس مروج چلے آرہے تھے، فیروز شاہ خود بھی عالم اور خدا ترس بادشاہ تھا اور ادھر علما نے بھی اس طرف متوجہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے وہ سب ٹیکس یک قلم منسوخ کر دیئے۔ مامون رشید کی سرپرستی میں خلق قرآن کا جو عظیم فتنہ اٹھا تھا اس کا سدباب امام احمد بن حنبل نے سخت شدائد و مصائب کو برداشت کر کے جس عزم و ہمت سے کیا اس سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے ان گدایان سکندر دماغ و دارا دل پر جنہوں نے فقر و درویشی کے باوجود ہر موقع پر ان کی ناانصافیوں اور ظلم وجبر پر بے جھجک ٹوکا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض انجام دیکر ایک طرف خلق خدا کو اس مصیبت سے نجات دی جس میں وہ مبتلا تھی اور دوسری جانب خود حکومت کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ کیونکہ ظلم کا انجام اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ واقعات بیشمار ہیں ان کا استقصا کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند واقعات سن لیجئے ان سے ایمان تازہ ہوگا۔ حضرت یزید بن حبیب مشہور تابعی ہیں، ایک مرتبہ بیمار تھے، مصر کا گورنر ابن سہیل عیادت کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ گفتگو کے دوران میں اس نے مسئلہ پوچھا کہ جس کپڑے پر مچھر کا خون لگا ہو اس سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ حضرت یزید بن حبیب نے غصہ سے تلملا کر جواب دیا۔ "تو روزانہ خدا کے بندوں کا خون بہاتا ہے اور مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ مانگتا ہے!" اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ایک قاصد حضرت اعمش کوفی کے پاس بھیجا کہ ان سے حضرت عثمانؓ

کے مناقب اور حضرت علیؓ کے مثالب لکھوائے۔ حضرت اعمش نے خلیفہ کا وہ پرچہ قاصد سے لیکر بکری کے منہ میں دے دیا اور فرمایا خلیفہ سے کہدینا کہ اس کے خط کا یہی جواب ہے۔ لیکن جب قاصد نے تحریری جواب دینے پر اصرار کیا تو آپ نے ایک پرچہ پر یہ لکھکر قاصد کے حوالہ کردیا" امیرالمومنین! اگر عثمان میں دنیا بھر کی ساری خوبیاں اور علی میں دنیا بھر کی تمام بُرائیاں بھی جمع ہوجائیں تو تجھ کو اُس سے کیا! قیامت میں تو تجھے خود اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا اس لئے تو اپنی خبرلے" ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے حضرت عبداللہ بن طاؤس کو بُلایا اور کسی حدیث کی روایت کی درخواست کی جو اُن کے والد طاؤس بن کیسان کے ذریعہ اُن تک پہونچی ہو ابن طاؤس کو اظہار حق کا یوں موقع ملا تو فوراً یہ حدیث بیان کی " قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا جس کو اللہ نے حکومت دی مگر اُس نے ظلم کیا"۔

اسی خلیفہ منصور کا ایک اور واقعہ ہے ایک مرتبہ ایک مکھی اُس کے مُنہ پر آکر بیٹھی اُس نے اڑادی، مکھی دوبارہ آکر بیٹھ گئی۔ منصور نے اُسے پھر اُڑادیا۔ تیسری مرتبہ بھی جب ایسا ہی ہوا تو منصور نے جھنجلاکر مشہور مفسر ابن سلیمان سے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ دریافت کیا" خدا نے مکھی کس ضرورت سے پیدا کی ہے"۔ ابن سلیمان نے برجستہ جواب دیا " گھمنڈ کرنے والوں کا غرور توڑنے کے لئے " منصور اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔

اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ جو حضرات اس طرح باجبروت بادشاہوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہوں۔ کیا اُن کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ احساسِ کمتری میں مبتلا تھے اور اس لئے حکومت سے بیَر رکھتے تھے۔

خاکسارانِ جہاں رابحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(باقی)